

پہلا انسان اور قرآن

(از جناب مولوی حسین صاحب شورا ایم لے عثمانیہ)

(۳)

سب سے پہلی بات تو وہی ہے کہ ”انسانِ اول“ کے متعلق قرآن نے جتنی تفصیل سے کام لیا ہے خود یہ خصوصیت کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ”انسانی نظام تمدن“ کا سارا دار و مدار قرآن اسی مسئلہ پر رکھتا ہے۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ یہ مسئلہ کہ انسان عام قدرتی مخلوقات کی طرح پیدا ہوا ہے یا اس کی تخلیق کی جداگانہ نوعیت ہے اس مسئلہ کا ہماری معاشرتی اور تمدنی زندگی پر کتنا اثر ہے۔ سب ہمارے لئے ہیں یا ہم ہی سب کے لئے ہیں یا مصافِ ہستی میں ہماری حقیقت عام کیلئے دل کو روکنا سے زیادہ نہیں ہے یہ سارے معاملات اس پر مبنی ہیں کہ پہلے یہ معلوم ہو کہ ہم کس طرح پیدا ہوئے کہ اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم کون ہیں؟ اور اس کے بعد یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ ہمارا تعلق اپنے گرد و پیش کے مخلوقات سے کیا ہے؟ لیکن جہاں قرآن نے اس مسئلہ کو اتنی اہمیت دی معلوم ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ کے دوران کار و سولات یعنی انسان کہاں؟ اور کب پیدا ہوا؟ قرآن نے کتنی بے پروائی کے ساتھ اس کو اپنی بحث سے خارج کر دیا۔ بلکہ ان کے مقابلہ میں اس نے صرف ایک ہی سوال کو لیا یعنی انسان کس طرح پیدا ہوا؟ پھر اس سوال کو اٹھا کر اس کے جتنے اہم پہلو تھوڑے انھیں بیان کیا اس میں شبہ نہیں کہ اس کی مثال کسی دوسری مذہبی یا دداشت میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ اور اب ان حقائق کی قیمت واضح ہو سکتی ہے جو انسانِ اول کی تخلیق کے سلسلہ میں قرآن نے بیان کیا ہے۔ انتہائی تفصیل کے لئے تو دفتر در کا ہے جس کی ایک مختصر علمی مقالہ میں گنجائش نہیں۔ تاہم اختصار اہم چاہتے ہیں کہ ان حقائق کو نمبر وار

بحث کیلئے روشنی میں لائیں۔ ناظرین کو چاہئے کہ پھر ایک دفعہ اپنے دماغ میں ان معلومات کو تازہ کر لیں جنہیں قرآن سے نکال کر ہم نے آغاز رسالہ میں درج کیا ہے تاکہ جن نتائج پر اب ہم بحث کرنا چاہتے ہیں، اس کا قرآن سے تعلق محسوس ہو۔

~~~~~ (۱) ~~~~~

قبل اس کے کہ قرآن پاک 'انسانِ اول' کی پیدائش کا ذکر چھپڑے اس نے زمین اور اس کی پیداواروں کا تعلق نوعِ انسان سے یہ بتایا

هو الذی خلق لکم مافی الارض      وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا ان سب  
جمیعاً      چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

یعنی جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے وہی واقعہ بھی ہے زمین اور اس کی مادی پیداوار پر انسانی وجود اور اس کے کمالات کے قیام و بقا کا مدار ہے اور اسی لئے بغیر کسی روک ٹوک کے ہم میں ہر شخص اپنی اپنی وسعت و استطاعت کے اعتبار سے اس سے نفع اٹھا رہا ہے یہی وہ نظریہ ہے جس پر آج ہماری سائنس اور کیمیائی علوم کی بنیاد ہے۔ ایسا آدمی جو دنیا کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو بھی لغو یا بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کو آدمی کے لئے نہیں سمجھتا قرآن کا مکذیب ہے۔ اور جس نے جب کبھی عالم کی کسی چیز کو بنی نوعِ انسانی کے لئے مفید اور کارآمد ثابت کیا وہی قرآن کا مفسر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ جنہوں نے قرآنی آیتوں کا مطلب معنی ضخیم جلدوں میں بیان کیا ہے وہ مفسر نہیں ہیں ان کی تفسیری احسانات سے کون انکار کر سکتا ہے وہ نہ ہوتے تو شاید ہم قرآن کے پہلے لفظ کا بھی ترجمہ نہ کر سکتے تھے۔

لیکن کہنا یہ ہے کہ اگر یہ لوگ الفاظِ قرآن کے شارح و مفسر ہیں تو وہ جس نے پتھر کے بے کار کوٹلوں پر آج ہماری معاشرت کی بنیاد قائم کر دی یا جس نے زمین کے اس بدبودار پانی کو جس کا نام کلاس آئیل یا پٹرول ہے اس کو ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بنا دیا۔ ایسا آدمی غیر شعوری طور پر قرآن کے اس

نظریہ کا علمی مفسر ہے۔

پھر زمین اور اس کی ساری پیداوار کو انسان میں جذب کرنے کے بعد قرآن نے فضا، مے اس محیط کی طرف توجہ کی جس کا نام مختلف زبانوں میں سموات، افلاک، سپہر، چرخ، آکاش سکائی - وغیرہ ہے یعنی -

ثم استوی الى السماء فسوَّهنَّ  
سبع سموات دھو بکل شیء  
پھر حق تعالیٰ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو  
اس نے سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک کیا اور وہ  
علیمہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

قرآن کی اس آیت میں گویا ادھر اشارہ کیا گیا ہے کہ نظام کائنات کی موجودہ ترتیب میں انسانی وجود بمنزلہ نقطہ مرکزی کے ہے جو اگرچہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن محیط کے سارے دائرے اسی چھوٹے نقطہ پر گردش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ محیط کے دائرہ اپنی بڑائی میں اتنے عظیم معلوم ہوتے ہیں محض اس سطحی اور ظاہری بڑائی کی بنیاد پر مرکزی نقطہ کے گویا نامحسوس وجود کے مقابلہ میں وہ اہمیت حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر دھو بکل شیء علیمہ (اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) فرما کر اس پر تنقید کی کہ مرکز ہو یا محیط یہ تمام محسوسات ایک نامحسوس "ہویت اور شخصیت" کی قوتِ علمی کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے جو ہے اپنا نظر نہیں آتا (اعجازِ ربانی)

گویا صرف ان چند آیتوں میں اہمیت کے اس معیار ہی کو درہم و برہم کر دیا گیا جو کسی چیز کی جسامت اور ظاہری عظمت کی بنیاد پر قائم کی جاتی ہے قرآن نے چونکا یا کہ اس سے آدمی کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے بلکہ جو یہاں چھوٹا ہے وہی بڑا ہے اور جو بڑا ہے وہی چھوٹا ہے حتیٰ کہ جو نامحسوس ہے وہی سب کچھ ہے اور جو محسوس ہے وہی کچھ نہیں ہے۔

ٹھیک اس کی مثال انسانی بدن اور جس کی ہے کہ ہمارے جسم کی سب سے طویل و عریض

چیز جس کا نام کمال ہے اور ہمارے نظام جسمی کا وہ پہاڑ جس کا نام ہڈی ہے یا وہ ندیاں یا تالے دریا یا سمندر جن کے نام شرائین و رابطات یا رگیں وغیرہ ہیں اگرچہ جسامت و دبازت میں کتنے بڑے ہیں لیکن دل، جگر، گردے، دماغ، آنکھیں جیسی حقیر سہتیوں کے مقابلہ میں ان بڑوں کی کیا قیمت ہے حتیٰ کہ اسی نظام میں شعور کا وہ نامحسوس نقطہ ہے جسے سب جانتے ہیں۔ لیکن کسی کو وہ محسوس نہیں ہوتا اور جس پر اس کا نکتہ جسمی کا سارا دار و مدار ہے کیا یہ سارے محسوسات اس نامحسوس نقطہ شعور کے مقابلہ میں ٹھہر سکتے ہیں؟ ان بڑوں میں سے کسی بڑے جز کو مثلاً نائنگ یا ہاتھ کو غائب کرو پھر دیکھو کہ ہمارا یا ہمارے اس شعوری نقطہ کا کیا بگڑتا ہے؟ لیکن جو نبی کہ شعور کا یہ غیر مرئی نقطہ کسی نہ کسی طرح محسوس ہو جاتا ہے کیا اس کے بعد پھر یہ نظام اپنے کو برقرار رکھ سکتا ہے؟

~~~~~ (۲) ~~~~~

ان تنبیہات کے بعد خود بخود یہ سوال دماغوں میں پیدا ہو جاتا ہے کہ محیط ہستی کے اس قلمزم ذخا میں انسانی وجود کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اسی کا جواب ہے جسے قرآن

وَإِذَا قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّ

أَوْحِبُّ تَيْبَةً رَّبَّنَا فَمِنْ بَيْنِ

جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔

ہوں زمین میں ایک خلیفہ

کے الفاظ میں دینا چاہتا ہے۔ اس حصہ میں قرآن کا خطاب ان لوگوں سے نہیں ہے جو عالم میں تدریجی کمالات کے ظہور کا نقطہ بجائے ہستی کے نیستی کو فرض کرتے ہیں یا جو صفر سے عدد پیدا کرتے ہیں بلکہ اس کے سامنے صرف وہی دماغ یا وہی عقول ہیں جو محسوس عالم کے لئے ایک نامحسوس رب کا وجود ناگزیر قرار دیتے ہیں یعنی خدا کو مانتے ہیں۔

اسی طرح اپنے اس بیان میں اس کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف بھی نہیں ہے جن کو عالم کے اس زندہ نظام میں موت کے سوا کسی جگہ کچھ بھی نظر نہیں آتا بلکہ اس نے خطاب کو نبی آدم کی اس اکثریت

تک محدود رکھا ہے جو عالم کے اس زندہ نظام کی ہر شاخ کو زندہ ہستیوں کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں جن کا نام مختلف زبانوں میں دیوتا، فرشتہ، سروش، رب النوع۔ عقول یا ملائکہ ہے اور جس کو ہر زمانے میں انسانوں کے ہر طبقہ نے ہر قسم کی نیکیوں اور خیرات کا سرچشمہ خیال کیا ہے گویا ان نے زیادہ پاک مہر وجود سلسلہ کائنات میں کسی کا نہیں ہے حتیٰ کہ اسی پاکی اور تقدس نے بالآخر غلو کا رنگ بعض دماغوں میں اس حد تک اختیار کیا کہ انہوں نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

اب اس سوال کا جواب دینے کے لئے کہ انسانی وجود محیطِ ہستی کا مرکزی نقطہ کس طرح قرار پایا قرآن "انسانی آفرینش" کا بیان شروع کرتا ہے اگرچہ اس بیان کا حاصل بھی وہی ہے جو دوسرے مذہبی نوشتوں کا خلاصہ ہے یعنی یہ کہ انسان خالق کائنات کی تخلیق کا فرمایوں کے عام قانون کے تحت پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی آفرینش کی نوعیت کائنات کی دوسری ہستیوں کے مقابلہ میں جداگانہ ہے۔ لیکن قرآن نے اس بیان میں جو اوصاف کئے ہیں ان سے انسانی قیمت اور اہمیت پر جتنا اثر پڑتا ہے دوسری کتابوں کے بیان سے یہ اثر نہیں پیدا ہوتا۔

قرآن کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یوں تو قدرت اپنے عام قانونِ تخلیق کے تحت ایجاد و انہار میں مصروف ہی تھی کہ اپنے خاص وقت میں نظام کائنات کے مرکزی موجودات یعنی جن کے ساتھ عالم کی مختلف چیزوں کی تربیت و نگہبانی متعلق تھی جن کا نام ملائکہ ہے۔ ان سب کو مخاطب کیا گیا اور کہا گیا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ ارادہِ تخلیق میں ملائکہ کو مخاطب کرنا یہ پہلا امتیاز ہے، جو "انسانی وجود" کو کائنات کی دوسری چیزوں پر حاصل ہوا، مخاطب کرنے والا ربِ قدوس اور جن کو مخاطب کیا گیا وہ مجر و ثمر نہیں تارے سیارے نہیں جمادات نباتات نہیں بلکہ ان تمام موجودات کا نوعی نظام جن زندہ ہستیوں کے ساتھ وابستہ ہے گویا جو ان کے لئے بمنزلہ روح اور جان کے ہیں ان کو تخلیق انسانی کے ارادہ سے مطلع کرنے کے لئے مخاطب بنانا اس بات کا اعلان ہے کہ اب جو پیدا کیا جائیگا اور تخلیق

قوت کا جو منظر بنے گا اس کی حقیقت عالم کی تمام چیزوں سے بالکل علیحدہ ہوگی۔

”حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ انسان بھی اس خاموش علیٰ تخلیق کے تحت بن کر کھڑا ہوتا جس طرح آئے دن مختلف مخلوقات و حیوانات و نباتات کیڑے مکوڑے دواب و حشرات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تو انسان آج جو تمام کائنات کو بے تحاشا اپنے قابو میں لاکر اپنی آرزوں اور تئناؤں کی تکمیل کر رہا ہے ہم اپنے اس مشاہدہ اور واقعہ کی کوئی صحیح توجیہ نہیں کر سکتے تھے اور اب جا کر آیت کے حصہ ”اذ قال رَبِّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ“ کا مقصد واضح ہوتا ہے۔

(۳)

اس تذکرہ میں دونا محسوس قوتوں یعنی رب اور ملائکہ کے باہمی مخاطب کا ایک ذیلی اثر دماغوں پر خود بخود یہ مرتب ہوتا ہے کہ کسی چیز کی اہمیت و مرکزیت کے لئے اس کا محسوس ہونا اور محسوسات میں بھی جسامت اور طول و عرض میں بڑا ہونا غیر ضروری ہے۔ آخر جو لوگ خدا کو ملتے اور خدا کے فرشتوں اور دیوتاؤں کو مانتے ہیں کیا محسوسات کے اتنے لمبے چوڑے نظام کو نامحسوس قوتوں میں گم نہیں کرتے پھر اگر ان ہی لوگوں کے آگے چھوٹے انسان کو اس بڑے عالم کا مرکزی وجود ٹھہرایا جاتا ہے تو اس کے سامنے میں ان کو کیا دشواری پیش آ سکتی ہے۔ اگر ایسا صرف ایک خدا ہی ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ ایک کی حد تک ممکن ہے کہ ذہن انسانی امتثال کے قانون کو استعمال کرے لیکن خدا ہی نہیں بلکہ جب ہر محسوس وجود کا مرکز نامحسوس قوت کو ٹھہرایا گیا اسی سلسلہ میں اگر انسان بھی اسی پوزیشن کا مالک ٹھہرایا جاتا ہے تو اس کے نہ ماننے کی کیا وجہ ہو سکتی ہو

(۴)

انسانی وجود کی اہمیت کا یہ تو ابتدائی ویساچہ تھا اب اصل حال سے مطلع کیا جاتا ہے کہ میں کس چیز کو سید کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ میں ”خلیفہ“ کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، گویا انسان، بشر وغیرہ تو اس کے ثانوی نام ہیں ورنہ اس مخلوق کا جس کے خالق کے ارادہ سے ملائکہ بے خبر کئے گئے اس کا اصلی نام ”خلیفہ“

ہو جس میں اس کے سارے کمالات کی شرح پوشیدہ تھی اور ان سارے سوالات کا جواب مستور تھا جو انسان کی مرکزیت کے متعلق قلوب میں پیدا ہو سکتے تھے بتا دیا گیا کہ وہ ”خلیفہ“ یعنی جانشین ہو گا۔ ظاہر ہے کہ جانشین کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی کی جگہ ہو، لوگ اس تلاش میں سرگرواں ہیں کہ انسان کس کا جانشین بنایا گیا؟ حالانکہ بات بالکل کھلی ہوئی تھی کہ حق تعالیٰ نے اب تک غیب سے جن مخلوقات کو عالم شہادت میں بھیجا تھا غیب میں ان کی نمائندگی ملائکہ کرتے تھے گویا اس وقت تک عالم میں جتنی چیزیں تھیں ان میں ہر ایک کسی نہ کسی ملک کے ساتھ وابستہ تھیں لیکن شہادت کی وہ تھی جس کا نوعی وجود بجائے ملک کے خود مالک کی خلافت سے ممتاز تھا وہ انسانی ہستی تھی۔ یا یوں کہو کہ انسان کے سوا جتنے تھے وہ مجبور مخلوقات تھے ان میں مطلق العنانی اور مختار کل ہونے کی شان نہ تھی اب ارادہ یہ تھا کہ عالم شہادت میں خود خدا کی جگہ ایک ”مخلوق“ پیدا ہو، گویا وہ اس خدا کی جو غیب میں ہے اور نامحسوس ہے غیر مرئی ہے اس کی عالم شہادت اور دنیائے محسوس میں نمائندگی کرے جو کچھ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں قرآن تو ثبوت کرتا ہے کہ یہی واقعہ بھی ہے یعنی سارے عالم پر انسان جس شان کے ساتھ متصرف اور کارکن ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے سب اس کے خادم اور یہ سب کا آقا معلوم ہوتا ہے یہ جو کچھ معلوم ہو رہا ہے یہی واقعہ بھی ہے اور سچ یہ ہے کہ ”مشاہدات“ ہی اگر واقعات“ نہ ہوں گے تو کیا واقعات وہ ہوں گے جن کو نہ کسی نے دیکھا اور نہ سنا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ کبھی کبھی لحاف میں منہ لپیٹ کر حقائق و تجربات سے آنکھیں بند کرنے کے بعد یوں ہی بلا وجہ یعنی دلوں میں دوسوہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ قبضہ غاصبانہ تو نہیں ہے۔

~~~~~(۵)~~~~~

اب لفظ خلیفہ کے نتائج پر غور کرنا چاہئے۔ انسان کے متعلق کتنا عظیم مخالطہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور جن لوگوں نے بجائے یقینیات کے صرف اوہام و خیالات کے اندھیرے میں انسان کی پوزیشن کو متعین کرنا چاہا ان میں بعضوں کا ذہن تو اس احتمال کی طرف گیا بھی اگرچہ اس کی بنیاد کسی مشاہدہ پر نہ تھی لیکن آخر انھوں نے

کہا کہ آدمی جانوروں کا وارث اور خلیفہ ہے آج اس لفظ کی قیمت پیدا ہوئی جب قرآن نے اعلان کیا کہ ”انسان مخلوقات کا نہیں بلکہ خود خالق تعالیٰ جل مجدہ کا خلیفہ ہے۔“

~~~~~(۶)~~~~~

پھر اس کی تشریح کے لئے کہا انسان خدا کا خلیفہ کس طرح بنا، اب قرآن اپنے بیان کو آگے بڑھاتا ہے وجود انسانی کے متعلق یہ سن کر کہ وہ ”خلیفہ“ ہے نہ صرف ملائکہ کو بلکہ ہر اس شخص کو جو اس کی قامت کی کھتری سے قطع نظر کر کے اس کی خلافت اور خلافت کی وجہ سے اس کے اندرونی اقتدارات و اختیارات کا اندازہ لگائے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ انسان کے متعلق ہی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اگرچہ ایک جانور اور حیوان ہے لیکن اپنی ذہنی اور دماغی طاقتوں کی بلندی کی وجہ سے اس کو تمام حیوانات کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے لیکن یہ امتیاز کیا ہے؟ جنہوں نے انسان کو اسی مقام سے دیکھا جس مقام پر اس وقت ملائکہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کو ایک ایسا حیوان قرار دیا جو اپنی بقا کے لئے اپنے سے کمزور اور ضعیف ہستیوں کو فدا کرتا ہے۔ اور اس کی دھڑکی میں کمی تو اپنے مقابل کے صفات کو کمزور کر کے مقصد حاصل کیا جاتا ہے یعنی اس کی حیثیت کو بگاڑ دیا جائے اس کو فدا کہتے ہیں، یا اس کو سرے سے فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے اسی کا مفک دمار و خون ریزی نام ہے۔ ملائکہ نے بھی یہی کہا کہ

۱۔ تجعل فیہا من یفسد فیہا کیا تو زمین میں ایسی ہستی پیدا کرے گا جو اس کے اندر فساد پھیلے

و یفسد الدماء اور خون ریزی کرے۔

اور یہی اس زمانہ تک ان لوگوں کی رائے ہے جو انسان کو ایک ایسا ترقی یافتہ حیوان قرار دیتے ہیں جو تنازع للبقا کے میدان میں فساد اور سفک دمار (خون ریزی) کرنے کیلئے پیدا ہوا ہے مگر ظاہر ہے کہ انسان یہ نہ تھا اگرچہ اس کے ظاہر حال کے لحاظ سے یہ مغالطہ پیدا ہوتا تھا قرآن نے شروع ہی میں اس مغالطہ کا پردہ چاک کرنے کے لئے اعلان کیا کہ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ غلط سمجھتے ہیں بلکہ ملائکہ نے

انسان کے متعلق اپنے مغالطہ کو ظاہر کرتے ہوئے مخلوقات الہیہ کی فضیلت کا جو آخری معیار قرار دیا اور اپنے کو اس معیار کا منظر پیش کیا۔ فضیلت کے اسی معیار کو سامنے رکھ کر خدا نے متنبہ کیا کہ دراصل اس معیار پر بھی بدرجہ کمال جو اترتا ہے وہ انسان ہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ملائکہ نے فضیلت اور بڑائی کا معیار یہ بتایا کہ جو ہستی جس حد تک حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے کمالات کی نمائش اپنے وجود سے کرے گی وہی مضاف ہستی میں سب سے برتر ہے لہذا ایجاد عالم کی آخری غرض اگر کچھ ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے اسی بنا پر انھوں نے نخن نسیم مجدد و نقذس لک "کہا۔ یعنی آپ کے محامد و اوصاف اور خود آپ کی ذات نقائص و عیوب سے منزہ اور پاک ہے اس کی نمائش ہم سے ہو رہی ہے۔ اور اس کا اعتراف ہم کر رہے ہیں۔ اور یہی مقصود تخلیق ہے نہ کہ اپنے کو زندہ رکھنے کیلئے دوسروں کو مارنا یا اپنی زندگی کے لئے دوسروں کی موت اپنی بقا کے لئے دوسروں کے فنا کی کوشش جو تنازع للبقا کے اس مقصد کو ادا کرتا ہے وہ آخر فطرت کی کس ضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔ بڑے چھوٹوں کو بچھلنے جائیں آخر اس کا سلسلہ کہاں ختم ہوگا؟ کس پر ختم ہوگا؟ اور آخر اس کا کوئی نتیجہ نکلیگا بھی یا نہیں؟ انسانی وجود کا مقصد اگر صرف اسی قدر ہے تو اس سے بڑھ کر لایعنی وجود اور کس کا ہو سکتا ہے۔

قرآن نے ملائکہ کے پیش کردہ معیار فضیلت کو مان کر اس کے بعد ایک خاص پیرایہ میں اس کا انکشاف کیا کہ انسان سے بڑھ کر اس معیار پر کوئی اور کامل اور مکمل ہو کر نہیں اتر سکتا۔



سب سے پہلی بات تو یہ بتانی کہ انسانی حقیقت میں حقیقی کے شاگرد اور متعلم ہونے کی حیثیت ہو اور اسی تعلیم کی راہ سے وہ ان غلطیوں کی اصلاح کر سکتا ہے جس کا اندیشہ اس کی خلافت اور اس کے اقتدار و اختیار کی وسعت کی بنا پر کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ اگر وہ اپنے اختیارات کو غلط طریقہ سے استعمال کر لے گا تو اس وقت بلاشبہ وہ زمین میں فساد اور خوریزی کا باعث ہوگا لیکن جب اس میں تعلیم الہی کے قبول

کرنے کی صلاحیت ہے اور اس ذریعہ سے وہ خدا کی بتائی ہوئی راہ پر اپنے اختیارات کو استعمال کرے گا تو یہ نتائج کبھی مرتب نہیں ہو سکتے۔

~~~~~(۸)~~~~~

دوسری بات اس سے بھی زیادہ گہری ہے اس کے سمجھنے کے لئے پہلے چند مقدمات کو پیش نظر کر لینا چاہئے۔

(۱) ”محض نسبہ محمد ﷺ و نقدر س لک“ کی آیت کا مفہوم اولاً متعین کرنا چاہئے ہم دیکھتے ہیں کہ تسبیح کو حمد کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے اور تقدیس کو بجائے حمد کے صرف ذات کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حمد و تائش کا تعلق چونکہ صفات و کمالات سے ہوتا ہے اسلئے تسبیح بالحمد کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ملائکہ حق تعالیٰ کے کمالات و صفات کو ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک قرار دینے والے ہیں گویا ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم آپ کے صفات و کمالات کی تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی ذات کی بھی تقدیس پاکی بیان کرتے ہیں۔

(۲) اور ظاہر ہے کہ ذات کی تقدیس وہی کر سکتا ہے جس کو ذات کا شعور بھی ہو۔ اسی طرح تسبیح بالحمد بھی وہی کر سکتا ہے جس کو صفات کا علم بھی ہو۔

(۳) اسی کے ساتھ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو بینائی کی صفت سے محروم ہے اس کو ”بینائی“ اور اس کے آثار کا سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کسی نابالغ بچہ کو جنسی التذاو اور اس کے کیفیات کا ذہن نشین کرانا بالفرض اگر مثالوں اور نظیروں سے کوئی بات اس کے دماغ میں اتاری بھی جائے گی جب بھی ان کیفیات کی صحیح حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ ان تمثیلات کی راہ سے یہ خیال پیدا کرایا جاسکتا ہے کہ بچہ جنسی تعلقات کی لذتوں کو مٹھائی یا مکمل کود کی لذتوں اور مسرتوں جیسی ایک چیز قرار دے لیکن ظاہر ہے کہ جولزت مٹھائی کے کھانے سے زبان کو ملتی ہے

اس میں اور جنسی لذت میں کوئی اشتراک کی جہت واقعی طور پر موجود نہیں ہے۔

ان مقدمات کو سامنے رکھنے کے بعد اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ ملائکہ کے دعوے تسبیح بالجموعہ و تقدیس کے مقابلہ میں آدمؑ کے متعلق قرآن کا یہ اعلان کہ حق تعالیٰ نے آدمؑ کو اسماء رکھا کا علم دیا تھا ایسے کل اسماء کا جن سے ملائکہ ناواقف تھے اس سے ملائکہ کے دعویٰ کی تردید کس طرح ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ملائکہ کو حق تعالیٰ کے تمام اسماء جو اس کی ذات اور صفات کے آئینے ہیں، ان کا علم نہ تھا تو تمام صفات و کمالات اور ذات کے تمام شئون و وجوہ کے لحاظ سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس وہ کس طرح کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی تسبیح و تقدیس ان ہی صفات و کمالات کی حد تک محدود رہ سکتی ہے جن کا ظہور ان کے اندر ہوا تھا۔

بخلاف آدمؑ کے کہ وہ خدا کا خلیفہ تھا آیت ”فَخَلَقْنَا مِنْ رُوحِي“ کے لحاظ سے حق تعالیٰ کی ذات کا منظر تھا اور آیت ”خَلَقْنَا بَيْنَیْ“ (یعنی انسان کو خدا نے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا) جس کا مطلب یہی لیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کے دونوں قسم کے صفات جلالی و جمالی کا وہ منظر قرار دیا گیا الغرض وہ تمام صفات و اسماء کا منظر تھا یعنی خالق تعالیٰ نے اس کی ہستی میں اپنی ذات و صفات سب کا اعتبار فرمایا تھا اور اسی بنا پر تمام اسماء کی تعلیم اس کو جب دی گئی تو وہ ان کا عالم ہو گیا کہ یہ سارے صفات و اسماء بن چکے تھے۔ گویا جس طرح ”بینا“ کو بینائی کی، سامع کو شنوائی کی، بالغ کو التذات و انسانی کی اگر تعلیم دی جائے تو اس کے سمجھنے میں اس کو کیا دشواری ہو سکتی ہے اسی لئے آدمؑ پر ان تمام اسماء کا علم منکشف ہو گیا اور جب تمام اسماء و صفات کا علم اس پر منکشف ہو گیا تو بلاشبہ آدمؑ کو اس کا صحیح استحقاق ہے کہ وہ نحن نسبہ بچھل لہ و تقدس لک“ کا دعویٰ کرے کہ وہی ہر صفت کی کیفیت اور اس کے نقص و کمالات و واقف ہو سکتا ہے۔ بخلاف ملائکہ کے وہ تمام اسماء و صفات کے منظر ہی نہ تھے۔ اسی لئے ان کو ان کا علم ہی نہیں

لہٰذا میں نے آدمؑ میں اپنی روح پیوٹی۔ لہٰذا میں نے آدمؑ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔

تھا اور نہ حاصل ہو سکتا تھا پس آدمؑ کے مقابلہ میں ان کا یہ دعویٰ اپنی جگہ پر درست نہ تھا۔ اسی لئے جب اسما کے علم میں ملائکہ نے عجز کا اظہار کیا تو ارشاد ہوا۔

الماقل لکم انی اعلم غیب السموات کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ میں آسمانوں اور زمین  
والارض واعلم ما تبدون غیب کی باتوں کو اور جو باتیں تم چھپائے ہوئے ہو اور جظائر  
وما لکم تکلمون کرتے ہو، ان سب کا خوب جاننے والا ہوں۔

جن کا حاصل ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسما وصفات اور ان کے مظاہر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جو ملائکہ کے علم سے غائب ہیں جن کی تعبیر قرآن نے ”غیب السموات والارض“ سے کی اور دوسری وہ ہیں جن سے ملائکہ کا ظاہر و باطن موصوف ہے جس کی تعبیر قرآن نے ”اعلم ما تبدون وما لکم تکلمون“ سے کی۔ اب ظاہر ہے کہ ملائکہ کو اگر علم ہو سکتا تھا تو صرف ان ہی صفات کا جن سے ان کا ظاہر و باطن متصف و موصوف تھا لیکن آسمان و زمین اور کائنات کے وہ حصے جو ان صفات و اسما کے مظاہر ہیں ان کا علم ملائکہ کو کس طرح ہو سکتا تھا۔

~~~~~ (۹) ~~~~~

انسانی وجود کی یہی جامعیت تھی جس نے اس کو تمام کائناتی ہستیوں کا مرکز و مرجع بنا دیا کیونکہ جو کچھ دوسروں کے پاس تھا وہ بھی اس کے پاس تھا اور جن سے دوسرے محروم تھے وہ بھی اس کو دیا گیا تھا اور اسی مرکزیت کا اعلان اس واقعہ کے ذریعہ کیا گیا جب خدانے جمادات، نباتات و حیوانات و اجرام و سموات ہی کو نہیں بلکہ ان ہستیوں کا نظام جن زندہ وجودوں کے ساتھ وابستہ ہے جس کو مختلف مذاہب و طل میں فرشتے، ملائکہ، دیوتا، رب النوع وغیرہ کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کو حکم دیا گیا کہ سب کے سب آدمؑ کے سامنے جھک کر اس کی مرکزیت اور عظمت کا اقرار کریں۔

فبجد الملائکۃ کلہما اجمعون پھر تمام فرشتے جھک گئے آدمؑ کے آگے سب کے سب۔

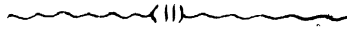
لیکن اس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ کائنات اور اس کے سارے قوانین انسانی ارادے اور خواہشوں سے مرتبائی نہ کرتے کہ جو ہستیاں ان موجودات کے لئے بمنزلہ جان کے ہیں وہی جب انسان کے آگے جھکی ہوئی ہیں تو پھر ان کے ساتھ جو وابستہ ہیں ان کی نافرمانی اور طغیانی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں حالانکہ بسا اوقات قدرتی قوانین اگر ایک طرف انسانی ارادوں اور خواہشوں کی پابندی کر کے اس کو مسرور کرتی ہیں۔ اسی طرح ان ہی کے متعلق ہمیشہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ انسانی احساسات و ارادات سے متضاد ہو کر اس کو دکھ اور سخت بھی پہنچاتی ہیں۔

اسی کی طرف (غالباً) اشارہ کیا گیا کہ اطاعت اور سجدہ کے اس عام حکم سے ایک ہستی نے انکار کیا جس کا نام ابلیس ہے۔ لیکن اس نے کس چیز سے انکار کیا؟ قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے کہ ابلیس... کی بغاوتوں کا اور سرکشوں کا اثر صرف ان ہی انسانوں پر ہو سکتا ہے جنہوں نے انسانیت کے اصل فرائض سے ہٹ کر اپنے وجود کے مقصد کو خالص نہ رکھا یعنی جو اپنے اخلاص کو کھو بیٹھے ہیں۔

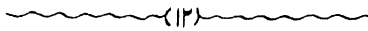
اس پر اگر غور کیا جائے تو حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اور اس کے قوانین کی مخالفت انسانی ارادوں اور خواہشوں سے اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ اخلاص سے خالی ہو جائے گویا اس کی جانچ کے لئے کہ کون انسانیت کے صحیح اور فطری مقصد پر صداقت و اخلاص کے ساتھ قائم ہے اور کون اس نقطہ سے ہٹ گیا ہے۔ ایک وجود پیدا کیا گیا جس کا نام قرآن کی اصطلاح میں ابلیس اور شیطان ہے۔ ابلیس نے اطاعت اور سجدہ سے انکار کیا۔ لیکن انسان کی انسانیت کی وجہ سے نہیں کیا ورنہ انسانوں میں جو مخلص و صادق ہیں خود قرآن کا اعلان ہے کہ ان پر اس کو سلطان اور غلبہ نہیں مل سکتا۔

ان عبدی لیس علیہم سلطان بیشک میرے (مخلص) بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہے۔
پس شیطان نے تو اپنی ناشکری اور جھوٹی بڑائی کی بنا پر انسان کے آگے جھکنے سے انکار کیا

لیکن جس نے اس کو پیدا کیا تھا اس کافر کے انکار کو مخلص سے غیر مخلص اور صادق سے کاذب کو جدا کرنے کا معیار ٹھہرا دیا۔



اور یہی نہیں بلکہ شیطان کے منہ سے یہ نکلوا کر کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ”یعنی جو مٹی نادہ ہے“ ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ جو انسان کو بجائے اندر اور باطن کے صرف باہر سے دیکھ کر اس کو بجائے ”خلیفہ حق“ ہونے کے ”خلیفہ حیوان“ یا ”حیوان زادہ“ قرار دے گا۔ دراصل وہ اسی آواز کا دہرانے والا ہو گا جو شیطان کے منہ سے نکلی تھی اور یہ کوئی جدید نظریہ اور تجویز نہیں ہے۔ بلکہ ابتداء فریٹش سے شیطانی فطرت رکھنے والوں کو انسان کے متعلق یہ اہلیسی شبہ پیدا ہوا۔ اور وہی شبہ مختلف تعبیروں کے بھیس میں ان دماغوں میں پیدا ہوتا ہے جو آدمی کی حقیقت کو نہیں بلکہ صرف اس کے استخوانی ڈھانچے کو دیکھتے ہیں۔



آفریش آدَم کے ان واقعات کو بیان کر کے قرآن نے صرف اس مشاہدہ کی توجیہ ہی نہیں کی، جس کا معائنہ ہم اس دنیا میں کر رہے ہیں یعنی عالم کی تمام چیزوں پر انسانوں کے قابو یافتہ ہونیکے اسباب کا علم جہاں اس بیان سے حاصل ہوتا ہے اس کے ساتھ ضمنی طور پر ان غلط کاروں اور غلط فہموں کے لئے ان واقعات میں تنبیہ بھی تھی جو آگے چل کر انسانی حقیقت کی قدر و قیمت سے غافل ہو کر اس کو اپنی اصلی مقام سے گرا دینے والے تھے۔

آخرا نازہ کیا جاسکتا ہے کہ کہاں دنیا کا ایک وہ طبقہ ہے جو انسانی پیشانی کو خالق کے سامنے سے ہٹا کر ہر قسم کی مخلوقات کے آگے رگڑ رہا ہے۔

اور ایک طرف انسانیت کی وہ بلندی کہ قدو میان عالم ملکوت بھی اس کے سجدے میں

گرے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اس کی وہ پستی کہ بجائے سجد ملائکہ ہونے کے خود دیوتاؤں کے نام سے یہ ملائکہ ہی کے آگے جھکا ہوا ہے اور پھر اسی ذلت پر بس نہیں کیا گیا۔ انسانوں کو خود انسانوں کے آگے بھی گرایا گیا چھوٹوں سے بڑوں کو پوجایا گیا اور کاش کہ بات اسی پر ختم ہو جاتی مگر وہی جس کے متعلق قرآن نے خبر دی تھی کہ ”کلھم اجمعون“ ملائکہ اس کے سب سے میں گرے تھے دیکھا جا رہا ہے کہ وہ جانوروں گایوں، ہاتھیوں، سانپوں کے آگے ماتھائیکے پڑا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر درختوں، پسیلوں بڑوں کے آگے جھکا ہوا ہے تاہیں کہ یہ پستی بالآخر نباتات سے گذر کر جمادات و عناصر آب آتش خاک باد تک پہنچی اور اس کی آخری حد یہ تھی کہ غلاظتوں اور گندگیوں شہر گاہوں تک کو انسان کا معبود و سجد بنایا پڑا گیا۔ پس ”سجد الملائکۃ کلھم اجمعون“ سے جہاں انسانیت کی بلندی کا اعلان کیا گیا اسی کے ساتھ اس بیان کے ذریعے ان گرے ہوؤں کو بھی اٹھنے کا پیغام دیا گیا جن کے لئے سب کچھ تھا وہی سب کے لئے بنے ہوئے تھے جو سب کے آقا تھے وہی سب کے غلام بنے ہوئے تھے۔

(باقی آئندہ)

تاریخ انقلاب روس

ٹرانسکی کی مشہور و معروف کتاب ”تاریخ انقلاب روس“ کا مستند اور مکمل خلاصہ جس میں روس کے حیرت انگیز سیاسی اور اقتصادی انقلاب کے اسباب و نتائج اور دیگر اہم واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اگر آپ موجودہ روسی نظام کے پس منظر کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں جو آجکل ناتسی بربریت کا شکار بنا ہوا ہے تو اس کتاب کو اپنے مطالعہ میں ضرور رکھئے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے (دیم)

ملنے کا پتہ

”مینجر“ مکتبہ برہان“ قرو لبلغ۔ دہلی